(1)

برسات کے دن ہیں، ساون کا مہینہ، آسمان پر سنہری گھٹائیں چھائی ہیں۔ رہ رہ کر رم جھم بارش ہونے لگتی ہے۔ ابھی تیسرا ہی پہر ہے، پر ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا شام ہو گئی۔ آموں کے باغ میں جھولا پڑا ہوا ہے۔ لڑکیاں بھی جھول رہی ہیں اور ان کی مائیں بھی۔ دو چار جھول رہی ہیں، دو چار جھولنے کے انتظار میں کھڑی ہیں۔ کوئی کھڑی گانے لگتی ہے، کوئی بارہ ماسہ۔ یہ موسم دیویوں کے دل میں بچپن کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ یہ پھوہاریں گویا فکروں کو دل سے دھوڈالتی ہیں۔ سبھی کے دل امنگوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دھانی ساڑھیاں گویا فکروں کی ہریالی سے ہم رنگ ہو رہی ہیں۔

اسی وقت ایک بساطی آکر جھولے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھتے یہ جھولا بند ہو گیا۔ چھوٹی بڑی سبھوں نے آکر اسے گھیر لیا۔ بساطن نے اپنا صندوق کھولا اور چمکتی اور مکتی چیزیں نکال کر دکھانے لگا۔ کچے موتی کے گہنے تھے، کچے لیس اور گوٹے، رنگین موزے، خوبصورت گھڑیاں، بچوں کے لٹو اور جھنجھنے، طرح طرح کے بگل اور سیٹیاں۔ سبھی نے اپنی اپنی پسند کی چیزیں چھانٹنی شروع کیں۔ ایک بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی نے وہ چیز پسند کی، جو ان چمکتی چیزوں میں سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ وہ فیروزہ رنگ کا ایک چندن ہار تھا۔

ماں نے بساطی پوسے پوچھا۔ ''یہ ہار کتنے کا ہے؟''

بساطی نے ہار کو رومال سے پونچھتے ہوئے کہا۔ ''خرید تو بیس آنے کی ہے۔ آپ جو چاہیں دے دیں۔''

ماں نے کہا۔ ''یہ تو بڑا مہنگا ہے۔ چار دن میں اس کی چمک دمک جاتی رہے گی۔''

بساطی نے پر معنی انداز سے سر ہلا کر کہا۔ ''بہو جی! چار دن میں تو بیٹا کو اصلی چندن ہار مل جائے گا۔''

ماں کے دل پر ان ہمدردانہ الفاظ نے چوٹ کی۔ ہار خرید لیا گیا۔

اس بھولی بھالی لڑکی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شاید ہیروں کے ہار سے اسے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اسے پہن کر وہ سارے گاؤں میں ناچتی پھرتی۔ اس کی ملکیت میں جو چیز سب سے قیمتی اور سب سے عزیز تھی، وہ بلور کا ہار تھا.....

لڑکی کا نام اجیا تھا اور ماں کا مانکی۔

(2)

منشی دین دیال الہ آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے۔ وہ کسان نہ تھے، مگر کھیتی کرتے تھے۔ زمیندار نہ تھے، مگر زمینداری کرتے تھے۔ تھانیدار نہ تھے، مگر تھانیداری کرتے تھے۔ وہ زمیندار کے مختار تھے۔ گاؤں میں ان کی دھاک تھی۔ ان کے پاس چار چپڑاسی تھے۔ ایک گھوڑا، گئی گائیں اور بھینسیں۔ تنخواہ کل پانچ روپے تھی، جو ان کے تمباکو کے خرچ کو بھی کافی نہ ہوتی تھی، مگر اس میں کچھ ایسی برکت تھی کہ رئیسانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جالپا انہی کی لڑکی تھی پہلے اس کے تین بھائی اور تھے، مگر اس وقت وہ اکیلی تھی۔ اس سے کوئی پوچھتا۔ ''تیرے بھائی کیا

ہوئے؟'' تو وہ بڑی سادگی سے کہتی۔ ''بڑی دور کھیلنے گئے ہیں۔'' کہتے ہیں مختار صاحب نے ایک غریب کسان کو اتنا پٹوایا تھا کہ وہ ایک ہفتے کے اندر مر گیا اور سال کے اندر منشی جی کے تینوں لڑکے جاتے رہے' تب سے بیچارے بہت سنبھل کر چلتے تھے۔ اب یہی لڑکی ماں باپ کی زندگی کا سہارا تھی۔

منشی جی جب کبھی باہر جاتے تو جالپا کے لیے کوئی نہ کوئی زیور ضرور لاتے۔ ان کے پختی کار ذہن میں یہ خیال بھی نہ آتا تھا کہ جالپا کسی اور چیز سے اس سے زیادہ خوش ہو سکتی ہے۔ گڑیا اور کھلونے ان کی نظروں میں بیکار تھے' اس لیے جالپا زیوروں ہی سے کھیلتی تھی۔ یہی اس کے کھلونے تھے۔ وہ بلور کا ہار' جو اس نے بساطی سے لیا تھا' اب اس کا سب سے پیارا کھلونا تھا۔ اصلی ہار کی تمنا اس کے دل میں طلوع نہ ہوتی تھی۔ گاؤں میں کوئی تقریب ہوتی یا کوئی تہوار آتا تو وہی ہار پہنتی' کوئی دوسرا گہنا اس کی آنکھوں میں جچتا ہی نہ تھا۔

ایک دن منشی جی لوٹے تو مانکی کے لیے ایک چندن ہار لائے۔ مانکی کو یہ ارمان بہت دنوں سے تھا۔ جالپا کو اپنا ہار پھیکا معلوم ہونے لگا۔ باپ سے بولی۔ ''مجھے بھی ایسا ہی ہار لا دیجیے۔''

منشی جی نے مسکرا کر کہا ''لا دوں گا بیٹی۔''

''کب لا دیجیے گا؟''

''بہت جلد۔''

''باپ کی باتوں سے جالپا کا من نہ بھرا۔ اس لیے ماں سے جا کر کہا ''مجھے بھی ایسا ہار بنوا دو۔''

''اس میں تو بہت روپے لگیں گے۔''

''تم نے اپنے لیے بنوایا ہے تو میرے لیے کیوں نہیں بنواتیں؟''

''تیرے لیے سسرال سے آئے گا۔''

جالپا شرما کر بھاگ گئی' پر یہ الفاظ اس کے دل میں پتھر کی لکیر ہو گئے۔ سسرال اب اس کے لیے اتنی خوفناک چیز نہ تھی۔ سسرال سے چندن ہار آئے گا۔ شاید وہ لوگ اسے ماں باپ سے زیادہ پیار کریں گے۔ اس طرح ہنستے کھیلتے سات سال گزر گئے۔

(3)

منشی دین دیال کے شناساؤں میں ایک بابو دیا ناتھ تھا۔ بہت ہی وضعدار اور خلیق۔ کچہری میں پچاس روپے کے نوکر تھے۔ دین دیال عدالت کے کیڑے تھے۔ آئے دن دیا ناتھ سے سابقہ پڑتا رہتا۔ چاہتے تو دین دیال سے ہزاروں وصول کرتے' پر کبھی ایک پیسے کے بھی روادار نہ ہوئے تھے اور ان کا یہ برتاؤ کچھ دین دیال ہی کے ساتھ نہ تھا۔ یہ ان کی عادت تھی۔ یہ بات بھی تھی کہ بڑے پرہیز گار ہوں' مگر رشوت کو حرام سمجھتے تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ آنکھوں سے اس کے نتائج دیکھ چکے تھے۔ کسی کو جیل جاتے دیکھا تھا۔ کسی کو اولاد سے ہاتھ دھوتے دیکھا تھا۔ کسی کو مکروہات میں پھنستے۔ ایسی انہیں کوئی مثال نہ ملتی تھی' جس نے رشوت لے کر چین کیا ہو۔ ان کے دل میں یہ خیال راسخ ہو گیا تھا کہ حرام کی کمائی حرام میں جاتی ہے۔

اس زمانے میں پچاس روپے کی بھگت ہی کیا؟ پانچ آدمیوں کی پرورش بڑی

مشکل سے ہوتی تھی۔ لڑکے اچھے اچھے کپڑوں کو ترستے۔ بیوی گہنوں کو ترستی، مگر دیاناتھ نیت کو برگشتہ نہ ہونے دیتے۔ بڑا لڑکا دو ہی مہینے کالج میں رہنے کے بعد پڑھنا چھوڑ بیٹھا۔ بابو صاحب نے صاف کہہ دیا۔ ''میں تمہاری ڈگری کے لیے سارے گھر کو بھوکا اور ننگا نہیں رکھ سکتا۔ پڑھنا چاہتے ہو تو اپنی قوت بازو سے پڑھو۔'' لیکن رماناتھ میں اتنا استقلال نہ تھا۔ ادھر دو سال سے وہ بالکل بیکار تھا۔ شطرنج کھیلتا، سیر سپاٹے کرتا، ماں باپ اور چھوٹے بھائیوں پر رعب جماتا۔ دوستوں کی بدولت امارت کے شوق پورے ہوتے رہتے تھے۔ کسی کا چسٹر مانگ لیا اور شام کو ہوا کھانے نکل گئے۔ کسی کا پمپ شو پہن لیا۔ کسی کی گھڑی کلائی پر باندھ لی۔ کبھی بنارسی فیشن سے نکلے، کبھی لکھنوی فیشن میں۔ دس دوستوں نے ایک ایک سوٹ بنوالیا تو دس سوٹ بدلنے کے سامان ہو گئے۔ باہمی امداد کا یہ نیا استعمال تھا۔ اسی نوجوان کو منشی دین دیال نے جالپا کے لیے انتخاب کیا۔ دیاناتھ لڑکے کی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس روپے نہ تھے اور نہ نئے خاندان کا بوجھ اٹھانے کی ہمت، مگر جاگیشری کی تریاہٹ کے سامنے ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ جاگیشری برسوں سے بہو کے لیے تڑپ رہی تھی، جو اس کے سامنے بہویں بن کر آئیں، وہ آج پوتے کھلا رہی ہیں،۔ پھر اس غریب کو کیسے صبر ہوتا۔ وہ کچھ کچھ مایوس ہو چلی تھی۔ ایشور سے مناتی تھی کہ کہیں سے پیغام آئے۔ دین دیال نے پیغام بھیجا ہے تو اس کو آنکھیں سی مل گئیں۔ اگر کہیں یہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو پھر نہ جانے اور کتنے دن راہ دیکھنی پڑے گی۔ کوئی یہاں کیوں آنے لگا؟ گھر میں نہ دولت ہے، نہ اثاثہ۔ اس لیے اس نے اس موقع پر سارا زور لگا دیا اور بالآخر اس کی

فتح ہوئی۔

دیاناتھ نے کہا۔ ''بھئی تم جانو تمہارا کام جانے۔ مجھ میں اتنی مقدرت نہیں ہے جو آدمی اپنے پیٹ کی فکر نہیں کر سکتا' اس کی شادی کرنا مجھے تو گناہ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ برین نقد روپے بھی تو چاہئیں۔ ایک ہزار سے کیم تو نمائش میں نہ صرف ہوں گے۔ جوڑے اور زیورات کے لیے الگ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) نا بابا! یہ بوجھ میرے بوتے کا نہیں۔''

جاگیشری پر ان دلیلوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

''وہ بھی تو کچھ دے گا۔''

''تو کیا میں اس سے مانگنے جاؤں گا؟''

''تمہارے مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ لڑکی کی شادی میں کوئی پیسے کا منہ نہیں دیکھتا۔ پھر دین دیال کے یہی ایک لڑکی ہے' بچا کر رکھیں گے تو بھی کس لیے؟''

دیاناتھ کو اب کوئی بات نہ سوجھی۔ صرف اتنا بولے ''چاہے لاکھ دے دیں اور چاہے ایک نہ دیں۔ میں نہ کہوں گا کہ دو' نہ کہوں گا کہ مت دو۔ قرض میں لینا نہیں چاہتا اور لوں تو دوں کس کے گھر سے۔''

جاگیشری نے اس مشکل کو یوں آسان کیا۔ ''مجھے تو یقین ہے کہ وہ ٹیکے میں ایک ہزار سے کم نہ دیں گے' نمائش کے لیے اتنا بہت ہے۔ گہنوں کا انتظام کسی صراف سے کر لینا۔ دروازے پر بھی تو کچھ ملے گا ہی۔ وہ صراف کو دے دینا۔ دو چار سو رہ جائیں گے' تھوڑا تھوڑا کر کے وہ بھی چکا دینا۔ پھر بچے کے لیے بھی تو کوئی

نہ کوئی دروازہ کھلے گا۔''

دیاناتھ نے بے رخی سے کہا۔''کھل چکا۔ جسے شطرنج اور سیر سپاٹے سے فرصت نہ ملے' اس کے لیے سبھی دروازے بند رہیں گے۔''

جاگیشری کو اپنی شادی کے حالا دیا دآئے۔ اس وقت دیاناتھ بھی تو گلچھرے اڑاتے تھے' لیکن اس کے گھر میں آتے ہی انہیں چار پیسے کمانے کی فکر کیسے سر پر سوار ہوگئی تھی؟ سال بھر کے اندر ہی پندرہ روپے کی جگہ پا گئے۔ بولی۔''بہو کو آنے دو۔ یہ سیر سپاٹے بھول جائیں گے۔ یہ دیکھ لینا۔ اپنی بات یاد کرو۔ جب تک گلے میں جوا نہیں پڑتا' سبھی کو کلیلیں سوجھتی ہیں۔ جوا پڑا اور سارا نشہ ہرن ہوا۔ نکموں کو راہ پر لانے کی اس سے بڑھ کر دوسری ترکیب ہی نہیں۔''

دیاناتھ اخبار پڑھنے لگے' جب ہار جاتے تھے تو اخبار پڑھنے لگتے تھے۔ اپنی شکست کو چھپانے کا ان کے پاس یہی ایک ذریعہ تھا۔

(4)

منشی دین دیال ان آدمیوں میں سے تھے' جو سیدھوں کے ساتھ سیدھے ہوتے ہیں' مگر ٹیڑھوں کے ساتھ ٹیڑھے ہی نہیں' شیطان ہو جاتے ہیں۔ دیاناتھ نے بے پر کی اڑائی ہوتی تو دین دیال انہیں ایسا چکمہ دیتے کہ وہ عمر بھر یاد رکھتے۔ دیاناتھ کی شرافت نے انہیں فریفتہ کر لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ایک ہزار شادی کی ساری رسمیں پوری کر دیں' مگر ایک ہزار ٹیکے ہی میں لے آئے۔

دیاناتھ ایک ہزار کی تھیلی پا کر خوش تو ہوئے' مگر اس نے ان کے سر کا بوجھ ہلکا کرنے کے بدلے اور بھاری کر دیا۔ شادی کی تیاریاں بھی اب وسیع پیمانے پر

کرنی پڑیں گی۔ اس شادی میں انہوں نے کم سے کم خرچ کرنے کا ارادہ کیا تھا' لیکن دین دیال کی فیاضی نے انہیں بھی فیاض بننے پر مجبور کر دیا۔ وہ سارے ٹیم ٹام 'ناچ تماشے' جنہیں وہ لغو سمجھتے تھے' اب فرض کی صورت میں ان کے روبرو آ کھڑے ہوئے۔ بندھا ہوا گھوڑا تھان سے کھل گیا۔ کون روک سکتا ہے' پہلے چڑھاوے کو انہوں نے محض رسم سمجھا تھا۔ اب ایسا چڑھاوا لے جانے کی تجویز ہوئی 'جسے دیکھ کر سب کی آنکھیں کھل جائیں۔ کوئی تین ہزار کا سامان بنوا ڈالا۔ صراف کو ایک ہزار نقد مل گیا۔ ایک ہزار کے لیے ایک ہفتے کا وعدہ ہوا' تو اس نے کوئی عذر نہ کیا۔ بیوپاری کی لاگت نکل آتی ہے تو نفع کے متعلق اسے زیادہ اندیشہ نہیں ہوتا' پھر بھی چندہار کی کسر رہ گئی۔ جڑاؤ چندن ہار ایک ہزار سے کم میں اچھا نہیں مل سکتا تھا۔ دیاناتھ کا جی تو لہرایا کہ لگے ہاتھ اسے بھی لے لو' مگر جاگیشری اس پر راضی نہ ہوئی۔ بازی پلٹ چکی تھی۔

دیاناتھ نے گرم ہو کر کہا۔ ''تمہیں کیا' تم گھر میں بیٹھی رہو گی۔ ندامت تو مجھے ہو گی' جب ادھر والے میخ نکالنے لگیں گے!''

''دو گے کہاں سے۔ کچھ سوچا ہے؟''

''کم از کم ایک ہزار تو وہاں مل جائیں گے۔''

''خون منہ لگ گیا شاید؟''

دیاناتھ نے شرما کر کہا۔ ''نہیں' نہیں۔ مگر آخر وہاں بھی تو کچھ ملے گا۔''

جاگیشری بولی۔ ''وہاں ملے گا تو وہاں خرچ بھی ہو گا۔ نام چڑھاوے سے نہیں ہوتا دان دکشنا سے ہوتا ہے۔''

اس طرح چندن ہار کی تجویز فسخ ہوگئی۔

مگر دیا ناتھ نمائش کو کتنا ہی غیر ضروری سمجھیں۔ دیا ناتھ اور اس کے احباب اسے مقدم سمجھتے تھے۔ بارات ایسی دھوم دھام سے جانی چاہیے کہ سارے علاقے میں دھوم مچ جائے۔ پہلے نوشہ کے لیے پالکی کی تجویز تھی۔ رما ناتھ ملنسار تھا۔ اس کے احباب بھی اس وقت ساری تیاریوں میں پیش پیش تھے۔ وہ جو کام کرتے' دل کھول کر تے۔ آتش بازیاں بنوائیں تو اول درجے کی' طائفہ کی تو اول درجے کا' باجے گاجے بھی اول درجے کے۔ دوم سوم کا وہاں ذکر ہی نہ تھا۔ دیا ناتھ ان کی فضول خرچیاں دیکھ کر فکرمند ہو جاتے تھے۔ مگر کرتے کیا؟

(5)

ناٹک اس وقت پاس ہوتا ہے' جب اہل ذوق اسے پسند کر لیتے ہیں۔ برات کا ناٹک اس وقت پاس ہوتا ہے' جب ہر خاص و عام اسے پسند کر لیتا ہے۔ ناٹک کا امتحان چار پانچ گھنٹے ہوتا رہتا ہے۔ برات کے امتحان کے لیے صرف اتنے منٹوں کا موقع ہوتا ہے۔ ساری دوا دوش' کاوش و جانفشانی کا فیصلہ پانچ منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ اگر ہر ایک کے منہ سے واہ واہ نکل گئی تو تماشہ پاس' نہیں تو فیل۔ منشی دیا ناتھ کا تماشہ پاس ہو گیا۔ شہر میں اسے تیسرا درجہ ملتا۔ گاؤں میں اول درجہ مل گیا۔ کوئی باجوں کی دھوں دھوں' پوں پوں سن کر مست ہو رہا تھا' کوئی موٹروں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا' لیکن کچھ لوگ پھلواڑیوں کے تختے دیکھ کر ٹوٹے جاتے تھے اور آتشبازی تو دلچسپی کا خاص مرکز تھی۔ ہوائیاں جب سن سے اوپر جاتیں اور آسمان میں سرخ' سبز' زرد' نیلے قمقمے سے بکھر جاتے۔ جب چرخیاں

چھوٹتیں اور ان میں سے ناچتے ہوئے مور نکل آتے تو لوگوں پر جادو کا اثر ہوتا تھا۔

جالپا کے لیے ان نمائشوں میں ذرا بھی کشش نہ تھی۔ ہاں وہ نوشہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ سب سے چھپ کر، مگر اس بھیڑ بھاڑ میں یہ موقع کہاں؟ دروازہ چار کے وقت اس کی سہیلیاں اسے چھت سے نیچے لے گئیں۔ مگر وہاں بھی وہ رمانا تھ کا صرف سہرا دیکھ سکی۔ چہرا نظر نہ آیا۔

دروازہ چار کے بعد کھانے پینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تھوڑے سے آدمیوں نے پوریاں کھائیں۔ زیادہ آدمیوں نے اپلوں پر باٹیاں پکائیں۔ چاروں طرف دھواں ہی دھواں نظر آنے لگا۔ تماشائیوں کی تفریح کے لیے محفل آراستہ ہوئی۔

آدھی رات کو یکا یک باجے بجنے لگے۔ معلوم ہوا کہ چڑھاوا آرہا ہے، شادی کی ہر ایک رسم ڈنکے کی چوٹ ادا ہوتی ہے۔ نوشہ ناشت کرنے آرہا ہے۔ باجے بجنے لگے۔ سمدھی ملنے آرہا ہے۔ باجے بجنے لگے، خیر، چڑھاوا جونہی پہنچا۔ گھر میں ہل چل مچ گئی۔ مرد، بوڑھے، جوان، چھوٹے بڑے سب چڑھاوا دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ آپس میں دھکم دھکا ہونے لگا۔ مانکی پیاس سے بے حال ہو رہی تھی۔ حلق سوکھا جاتا تھا۔ آتے ہی اس کی پیاس بھاگ گئی۔ دین دیال ایک کوٹھڑی میں نیم جان سے پڑے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی بے تحاشہ دوڑے، مانکی ایک ایک چیز کو نکال کر دیکھنے اور دکھانے لگی۔ وہاں سبھی اس فن کے ماہر تھے۔ مردوں نے گہنے بنوائے تھے۔ عورتوں نے پہنے تھے۔ سبھی تبصرے کرنے لگے۔ یہ چوہے دنتی کتنی خوبصورت ہے۔ کوئی دس تولے کی ہوگی۔ یہ شیر دہاتو دیکھو۔ کیا ہاتھ کی صفائی

ہے۔کوئی بارہ تولے کا ہوگا۔واہ' کبھی دیکھا بھی ہے۔سولہ تولے سے کم نکل جائے تو منہ نہ دکھاؤں ہاں۔مال اتنا چوکھا نہیں ہے۔یہ کنگن تو دیکھو۔پکی جڑائی ہے۔کتنا باریک کام ہے کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی۔بچے نگینے ہیں اصل چیز تو یہ گلوبند ہے۔کتنے خوبصورت پھول ہیں اور ان کے بیچ کے ہیرے کیسے چمک رہے ہیں۔بنگالی سنار نے بنایا ہوگا۔کیا بنگالیوں نے کاریگری کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ہمارے یہاں ایک سے ایک کاریگر پڑے ہوئے ہیں۔بنگالی سنار بیچارے ان کی کیا برابری کریں گے۔

اسی طرح ہر ایک چیز کی تنقید ہوتی رہی۔دفعتاً کسی نے کہا۔''کیا چندن ہار نہیں ہے؟''

مانکی نے رونی صورت بنا کر کہا''نہیں' ارے چندن ہار نہیں آیا۔''

دین دیال نے اپنی خفت کو چھپاتے ہوئے کہا۔''اور سب چیزیں تو ہیں' ایک چندن ہار ہی تو نہیں ہے۔''

تماشائیوں کے اس حلقے کے پیچھے جالپا امید و بیم کی تصویر سی بنی کھڑی تھی اور سب زیوروں کے نام کان میں آتے تھے' چندن ہار کا نام نہ آتا تھا۔اس کا سینہ دھک دھک کر رہا تھا۔چندن ہار شاید سب زیوروں کے نیچے ہو۔ممکن ہے کسی کی نگاہ نہ پڑی ہو یا پیچھے سے کسی اور رسم میں ملے۔اس طرح وہ دل کو سمجھاتی رہی۔جب یقین ہو گیا کہ چندن ہار نہیں ہے تو اس کے جگر پر چوٹ سی لگی۔معلوم ہوا جسم میں ایک قطرہ بھی خون نہیں ہے۔وہ ایک بے خودی کی حالت میں اپنے کمرے میں آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔وہ تمنا جو سات برس پہلے اس کے دل میں

اگی تھی، جو اس وقت پھول اور پتوں سے لدی کھڑی تھی، اس پر بجلی گر پڑی۔ اس مایوسی کے عالم میں اسے ایسا غصہ آ رہا تھا کہ چڑھاوے کو اٹھا کر پھینک دے۔ کمرے میں ایک طاق پر شیو کی مورت رکھی ہوئی تھی، اس نے اسے اٹھا کر اتنے زور سے پٹکا کہ اس کی تمنا کی طرح وہ بھی چور چور ہو گئی۔ اس نے دل میں عہد کیا کہ اب کوئی زیور نہ پہنوں گی۔ زیور پہننے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ منت کی زحمت، جانے کہاں سے کوڑا کرکٹ اٹھا لائے، جس چیز میں روپے خرچ ہونے تھے، اس کا نام ہی نہ لیا۔

وہ اسی غصے میں بھری بیٹھی تھی کہ اس کی تین سہیلیاں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ جالپا نے انہیں دیکھتے ہیں آنکھیں پونچھ ڈالیں اور مسکرانے لگی۔

رادھا بولی۔ ''بہن تم نے بڑی تپسیا کی تھی۔ ایسا چڑھاوا میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب تو تیرا کوئی ارمان نہیں رہا۔''

جالپا نے لمبی لمبی پلکیں اٹھا کر اس کی طرف ایسی بیکسانہ نگاہوں سے دیکھا۔ گویا زندگی میں اب اس کے لیے کوئی امید نہیں ہے۔ ''ہاں بہن سارے ارمان پورے ہو گئے۔''

سہیلیاں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگیں۔ گویا اس جملے کا مطلب ان کی سمن میں نہ آیا ہو۔

بسنتی نے کہا۔ ''تمہاری ساس بڑی عقل مند معلوم ہوتی ہے۔ کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ ایسا جی چاہتا ہے کہ کاریگر کے ہاتھ چوم لوں۔''

رادھا: ''اور تو سب کچھ ہے۔ صرف چندہار نہیں ہے۔''

شہزادی: ''ایک چندن ہار کے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے عوض گلوبند تو ہے!''

جالپا نے طنز سے کہا۔ ''ہاں! آنکھ نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ جسم میں اور سب اعضا تو ہوتے ہی ہیں۔ آنکھیں ہوئیں تو کیا' نہ ہوئیں تو کیا۔''

بچوں کے منہ سے دانشمندی کی باتیں سن کر جیسے تمہیں ہنسی آجاتی ہے۔ اسی طرح جالپا کے منہ سے یہہ مایوسانہ الفاظ سن کر رادھا اور بسنتی اپنے تئیں نہ روک سکیں۔ ہاں شہزادی کو ہنسی نہ آئی۔ ایسی زیور کی ہوس اس کے نزدیک ہنسنے کی بات نہیں رونے کی بات تھی۔ مصنوعی ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ ''سب کے سب نہ جانے کہاں کے دہقان ہیں کہ سب چیزیں تو لائے لیکن چندن ہار نہ لائے جو سب گہنوں کا راجہ ہے۔ ابھی نوشہ صاحب آتے ہیں تو پوچھتی ہوں۔ تم نے یہ کہاں کی ریت نکالی ہے' کوئی ایسا ظلم بھی کرتا ہے؟''

رادھا اور بسنتی سہم رہی تھیں کہ جالپا کہیں تاڑ نہ جائے۔ ان کا بس ہوتا تو شہزادی کا منہ بند کر دیتیں۔ مگر جالپا کو شہزادی کے تصنع میں خلوص کا رنگ نظر آرہا تھا۔ آبدیدہ ہوکر بولی۔ ''ان سے پوچھ کر کیا کروگی۔ جو ہونا تھا سو ہوگیا۔''

شہزادی: ''تم پوچھنے کو کہتی ہو۔ میں رلا کر چھوڑوں گی۔ میرے چڑھاؤ میں کنگن نہ آئے تھے۔ اس وقت طبیعت ایسی کھٹی ہوئی کہ سارے زیوروں پر لات ماردی۔ جب تک کنگن نہ بن گئے' میں نیند بھر سوئی نہیں۔''

رادھا: ''تو کیا تم سمجھتی ہو' چندن ہار ملے گا ہی نہیں؟''

شہزادی: ''ملے گا جب ملے گا۔ اس موقع پر تو نہیں ملے گا۔ اس موقع پر

تو نہیں ملا۔ دس پانچ کی چیز تو ہے نہیں کہ جب چاہا بنوایا۔ سینکڑوں کا خرچ ہے۔ پھر کاریگر بھی تو ہمیشہ نہیں ملتے۔ جالپا یہی تو میں بھی سوچتی ہوں، جب آج نہ ملا تو پھر کیا ملے گا۔''

رادھا اور سنتی دونوں شہزادی کو دل میں کوس رہی تھیں اور تھپڑ دکھا رہی تھیں، مگر شہزادی کو اس وقت تماشے کا مزا آ رہا تھا۔ بولی نہیں۔ ''یہ بات نہیں ہے۔ بہن! ضد کرنے سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ساس، سسر کو بار بار یاد دلاتی رہنا۔ دولہا صاحب سے دو چار دن روٹھ کر بیٹھنے سے کچھ کام نکل سکتا ہے۔ بس یہی سمجھ لو کہ گھر والے چین نہ لینے پائیں۔ انہیں یقین ہو جائے کہ بغیر چندن ہار بنوائے خیریت نہیں۔ تم ذرا بھی نرم پڑیں اور کام بگڑا۔''

رادھا نے ہنسی کو روکتے ہوئے کہا۔ ''ان سے نہ بنے تو تمہیں بلا لیں۔ کیوں؟ اب اٹھو گی یا ساری رات سبق ہی دیتی رہو گی۔''

''شہزادی چلتی ہوں۔ ایسی کیا بھاگڑ پڑی ہے۔ ہاں، خوب یاد آئی۔ کیوں بہن تیری اماں جی کے پاس تو بڑا اچھا چندن ہار ہے۔ تجھے نہ دیں گی؟''

جالپا نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔ ''مجھے تو ان سے کوئی امید نہیں ہے۔ بہن! شہزادی ایک بار کہہ کر دیکھ لو۔ اب کون سے ان کے پہننے اوڑھنے کے دن بیٹھے ہیں۔''

جالپا: ''مجھ سے تو کہا نہ جائے گا۔''

شہزادی: ''میں کہہ دوں گی۔''

جالپا: ''نہیں نہیں۔ تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میں ذرا ان کی مامتا

کا امتحان لینا چاہتی ہوں۔"

بسنتی نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"معلوم ہوتا ہے تو ساری رات کا بیڑا لے کر آئی ہے۔چل مجھے پہنچا کر لوٹ آنا۔"

شہزادی اٹھی مگر جالپا نے راستہ روک لیا اور بولی۔"نہیں ابھی بیٹھو بہن، تمہارے پیروں پڑتی ہوں۔"

شہزادی: "جب یہ دونوں چڑیلیں بیٹھنے بھی دیں۔ میں تو تمہیں گر سکھاتی ہوں اور یہ دونوں جھاتی ہیں۔"

بسنتی: "تو تو بس کی گانٹھ ہے۔"

شہزادی: "تم بھی تو سسرال سے سال بھر بعد آئی ہو۔کون کون سی چیزیں بنوا لائیں؟"

بسنتی: "اور تم نے تین سال میں کیا بنوا لیا؟"

شہزادی: "میری بات چھوڑو۔میرا خصم تو میری بات ہی نہیں پوچھتا۔"

رادھا: "محبت کے سامنے زیوروں کی کوئی حقیقت نہیں۔"

شہزادی: "تو وہ سوکھی محبت تمہیں مبارک ہے۔"

اتنے میں مانکی نے آن کر کہا۔"تم تینوں یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔چلو وہاں لوگ کھانا کھانے آ رہے ہیں۔" تینوں سہیلیاں چلی گئیں۔جالپا ماں کے گلے میں چندن ہار کی رونق دیکھ کر سوچنے لگی۔ان زیوروں سے ان کی طبعیت اب تک سیر نہیں ہوئی۔

بابو دیاناتھ جتنے حوصلے سے شادی کرنے گئے تھے، اتنے ہی خاطر شکستہ دل ہو کر لوٹے۔ دین دیال کی فیاضی میں شبہ نہیں، لیکن وہاں سے جو کچھ ملا، وہ سب وہیں خرچ ہو گیا۔ بار بار اپنی غلطی پر پچھتاتے۔ کیوں نمود و نمائش میں اتنے روپے خرچ کر دیئے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ یہی کہتے کہ یہ حضرت بڑے بخیل ہیں۔ اتنا سن لینے میں کیا نقصان تھا اور سبھی تقاضے توع پانچ دس دن میں ٹل سکتے تھے مگر صراف کسی طرح نہ مانتا تھا۔ اس سے شادی کے ساتویں دن ایک ہزار روپے دینے کا وعدہ تھا۔ ساتویں دن صراف آیا، مگر روپے کہاں تھے۔ دیاناتھ میں للو چپو کی عادت نہ تھی، مگر ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ انہوں نے اسے چکمہ دینے کی خوب کوشش کی۔ چھ مہینے میں باقی قسط سے روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر تین مہینے پر آ گئے۔ مگر صراف ایک کھٹا ہوا تھا۔ اسی وقت ٹلا، جب دیاناتھ نے تیسرے دن باقی رقم کے زیور واپس کر دینے کا وعدہ کیا۔ آخر وہ تیسرا دن بھی آ گیا اور اب دیاناتھ کو اپنی لاج رکھنے کی کوئی ترکیب نہ سوجھتی تھی۔ کوئی چلتا ہوا آدمی شاید پریشان نہ ہوتا۔ حیلے حوالے کر کے مہاجن کو مہینوں ٹالتا رہتا لیکن دیاناتھ اس معاملے میں اناڑی تھے۔

جاگیشری نے کہا۔ ''کھانا کب سے پکا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کھا کیوں نہیں لیتے؟''

دیاناتھ نے اس طرح گردن اٹھائی، گویا سر پر سینکڑوں من کا بوجھ لدا ہوا ہے اور بولے: ''تم جا کر کھا لو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

جاگیشری: ''بھوک کیوں نہیں ہے۔ رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ یوں دانہ

پانی چھوڑ دینے سے مہاجن کے روپے تھوڑے ہی ادا ہو جائیں گے!''

دیاناتھ: ''میں سوچتا ہوں۔ اسے آج کیا جواب دوں گا۔ میں تو یہ شادی کر کے برا پھنسا۔ بہو کچھ زیور لوٹا تو دے گی۔''

جاگیشری: ''بہو کا حال تو سن چکے، پھر بھی اس سے امید رکھتے ہو۔ اس کی ٹیک ہے کہ جب تک چندن ہار نہ بن جائے گا، کوئی گہنا نہ پہنوں گی۔ ساری چیزیں صندوق میں بند کر رکھی ہیں۔ بس ایک وہی بلوریں ہار گلے میں ڈالے ہوئے ہے۔ بہوئیں بہت دیکھی ہیں مگر ایسی بہو نہ دیکھی تھی۔ پھر کتنا برا معلوم ہوتا ہے کہ کل کی آئی بہو اس سے گہنے مانگ لیے جائیں۔''

دیاناتھ نے چڑ کر کہا۔ ''تم تو جلے پر نمک چھڑکتی ہو۔ برا معلوم ہوتا ہے تو اداؤ روپے نکال کر دے دیتی ہو۔ برا مجھے خود معلوم ہوتا ہے مگر تدبیر کیا ہے۔ گلا کیسے چھوٹے؟''

جاگیشری: ''بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا مذاق ہے، شادی بیاہ میں سبھی قرض لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پارسا بننے کا کچھ سبق ملنا چاہیے یا نہیں؟ تمہارے ہی دوست الہ بستیہ دیو ہیں، پکا مکان کھڑا کر لیا۔ زمینداری خرید لی۔ بیٹی کی شادی میں کچھ نہیں تو پانچ ہزار تو خرچ کیے ہوں گے اور تم اپنی پارسائی لیے پھرتے ہو۔''

دیاناتھ: ''جبھی دونوں لڑکے بھی تو چل دیئے۔''

جاگیشری: ''مرنا جینا تو دنیا کا طریق ہے، جو لیتے ہیں وہ بھی مرتے ہیں، جو نہیں لیتے وہ بھی مرتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو چھ مہینے میں سب روپے چکا سکتے ہو۔''

دیاناتھ نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ''جو بات زندگی بھر نہیں کی۔ وہ بات آخری

وقت نہیں کر سکتا۔ بہو سے گھر کا حال صاف صاف کہہ دو' اس سے پردہ رکھنے کی ضرورت نہیں اور پردہ رہ ہی کتنے دن سکتا ہے' بس تین چار چیزیں لوٹا دے۔ تم اس سے ایک بار کہو تو!''

جاگیشری' جھنجھلا کر بولی۔ ''اس سے تم ہی کہو۔ مجھ سے نہ کہا جائے گا۔''

اسی وقت رمانا تھ ٹینس ریکٹ لیے باہر سے آیا۔ جسم پر سفید ٹینس شرٹ تھی۔ سفید پتلون' کینوس کا جوتا' خوش رو آدمی تھا۔ اس لباس نے رئیس زادوں کی شان پیدا کر دی تھی۔ رومال میں بیلے گجرے لیے ہوئے تھا۔ اس سے خوشبو اڑ رہی تھی۔ ماں باپ کی آنکھیں بچا کر زینہ پر جانا چاہتا تھا کہ جاگیشری نے ٹوکا۔ ''کہاں جاتے ہو۔ تم نے ناچ تماشے میں بارہ تیرہ سو روپے اڑا دیئے۔ بتلاؤ صراف کو کیا جواب دیا جائے۔''

رمانا تھ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے روپے اڑا دیئے۔ میں نے بابو جی کے حکم کے بغیر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا۔''

حقیقت بھی یہی تھی۔ اگر دیانا تھ کی مرضی نہ ہوتی' تو رما کیا کر سکتا تھا۔ جو کچھ ہوا' ان کی رضامندی سے ہوا۔

دیانا تھ نے اس قول کی تائید کی۔ ''میں تمہیں الزام نہیں دیتا بھائی۔ کیا تو میں نے ہی مگر یہ بلا تو کسی طرح سر سے ٹالنی چاہیے۔ صراف کا تقاضا ہے۔ میری سمجھ میں یہی ایک تدبیر ہے کہ باقی روپیوں کے زیور واپس کر دیئے جائیں۔ تمہاری کیا صلاح ہے؟''

رما نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''میں اس معاملے میں کیا صلاح دے سکتا

ہوں۔ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس تجویز کو وہ خوشی سے منظور نہ کریں گی۔''

جاگیشری نے خوش ہو کر کہا۔''یہی تو میں ان سے کہہ رہی ہوں۔''

رما: ''رونا دھونا شروع ہو جائے گا۔اس کے ساتھ ہی گھر کا پردہ بھی کھل جائے گا۔''

دیاناتھ نے آزردہ خاطر ہو کر کہا۔''میری سمجھ میں نہیں آتا۔اس سے پردہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟اپنی اصلی حالت کا اسے جتنی جلدی علم ہو جائے'اتنا ہی اچھا ہے۔''

رماناتھ نے عام نوجوانوں کی طرح جالپا سے خوب زیٹ اڑائی تھی۔خوب بڑھ چڑھ کر باتیں کی تھیں کہ ہماری زمینداری ہے'اس سے کئی ہزار کا نفع ہے۔بینک میں روپے ہیں'ان کا سود آتا ہے۔بولا۔''آپ کا فرمانا درست ہے'پر اتنی جلدی بھرم کھل جانے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ ہمیں ذلیل سمجھنے لگے گی۔''

دیاناتھ۔''ہم نے دین دیال سے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ ہم لکھ پتی ہیں۔''

رما۔''تو آپ نے یہی کب کہا تھا کہ ہم جا کر پرزیور لائیں گے اور دو چار دن میں لوٹا دیں گے۔آخر یہ سارا سوانگ اپنی دھاک بٹھانے کے لیے ہی تو کیا تھا یا کچھ اور؟''

دیاناتھ۔''تو پھر کوئی دوسرا بہانہ کرنا پڑے گا۔دوسری کوئی تدبیر نہیں۔کل یا تو روپے دینے پڑیں گے یا زیور واپس کرنے پڑیں گے۔''

جاگیشری۔''اور کون سا بہانہ کیا جائے گا۔اگر کہا جائے کہ کسی کو مانگے دینا ہے تو شاید وہ دے ہی نہیں۔''دیاناتھ کو ایک حکمت سوجھی۔''یہ ممکن نہیں ہے کہ ان

زیوروں کے بدلے ملمع کی چیزیں دے دی جائیں۔'' مگر فوراً ہی خیال آ گیا کہ یہ لچر بات ہے۔ خود ہی اس کی تردید کی اور بولے۔

''کیوں نہ ساری حالت اسے سمجھا دی جائے۔ ذرا دیر کے لیے اسے رنج تو ہوگا' لیکن ہمیشہ کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔''

لیکن اس میں رمانا تھ کی کرکری ہوتی تھی۔ پھر تو اسے منہ دکھانے کی بھی جگہ نہ رہے گی۔ جب وہ پوچھے گی۔ تمہاری زمینداری کیا ہوئی۔ بینک کے روپے کیا ہوئے تو وہ کیا جواب دے گا؟ رنجیدہ ہو کر بولا۔ ''اس میں سراسر بے عزتی ہے کیا آپ صراف کو دو چار مہینے میں نہیں ٹال سکتے؟''

دیا ناتھ۔ ''غیر ممکن۔''

تینوں کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ دیا ناتھ نے اپنا فیصلہ سنا دیا' چونکہ ماں اور بیٹے کا یہ فیصلہ منظور نہ تھا۔ اس لیے اب اس گتھی کو سلجھانے کا بار بھی نہیں دنوں پر تھا۔ جاگیشری نے تو ایک طرح سے طے کر لیا تھا کہ دیا ناتھ کو جھک مار کر اپنی پار سائی کو رخصت کرنا پڑے گا۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ہمارے اوپر بوجھ لدا ہوا ہو اور ہم دھرم کا راگ الاپتے جائیں' مگر رمانا تھ جانتا تھا کہ والد نے جو کام اپنی زندگی میں کبھی نہیں کیا' وہ آج نہ کریں گے۔ وہ بغیر پس وپیش کے جالپا سے شہر سے زیور مانگ بیٹھیں گے اور وہ یہ نہ چاہتا تھا..... وہ اب پچھتا رہا تھا کہ کیوں جالپا سے ڈینگیں ماریں؟ اس وقت اسے ذرا بھی فکر نہ تھی کہ ایک دن سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ دروغ دور اندیش نہیں ہوتا لیکن وہ دن اتنی جلدی آئے گا' یہ کون جانتا تھا۔ اگر اس نے جھوٹا وقار نہ جمایا ہوتا' تو جاگیشری کی طرح وہ بھی